R. N. 2186/57 — Regd. No. A 923

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Telephone No. [illegible]
Telegrams "ANJUMAN"

جلد ۲۱ - شمارہ ۲۲ | ایڈیٹر - آل احمد سرور | علی گڑھ - ۸ جون ۱۹۶۲ء

ناوک حمزہ پوری

مولانا ابوالکلام آزاد کا ابتدائی کلام

مولانا ابوالکلام آزاد کی خداداد صلاحیتوں کے جتنے پہلو اب تک سامنے آئے ہیں ان سے ثابت ہے کہ مولانا کم عمری ہی میں شعر کہنے لگے تھے — اور انھیں غالب کے ان معترضین پر تعجب ہوتا تھا جو یہ باور کرتے تھے کہ "غالب نو دس سال کی عمر میں شعر کہنے لگے تھے"۔

مولانا آزاد کی ابتدائے مشقِ سخن کے بہت ہی کم نمونے اب تک دستیاب ہو سکے ہیں۔ حالانکہ نصف صدی ادھر نکلنے والے بہت سے گلدستوں میں مولانا کی غزلیں وغیرہ چھپا کرتی تھیں اور خود مولانا ان گلدستوں کے طرحی مشاعروں کے لئے اپنی غزلیں بھیجا کرتے تھے۔

مولانا کی ابتدائے مشقِ سخن کے کچھ نمونے اب سے ساٹھ سال پہلے شائع ہونے والے ایک گلدستہ شعر و سخن میں ملے ہیں جو نگینہ ضلع بجنور (یو-پی) سے ہر ماہ شائع ہوا کرتا تھا۔ اس کے صرف دو شمارے میرے پاس موجود ہیں۔

ماہنامہ "صحن چمن" جنوری ۱۹۰۲ء میں نگینہ ضلع بجنور سے نکلنا شروع ہوا تھا۔ سید ظفر حسین ظفر اس کے ایڈیٹر تھے اور مطبع گوہر ہند نجیب آباد میں چھپتا تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے ششماہی چودہ آنے اور سہ ماہی آٹھ آنے تھا۔ مگر پیشگی ۱۰ جون ۱۹۰۲ء تک پیشگی چندہ دینے والوں کو ایک "چلبلا ناول" بھی پیش کیا جاتا تھا۔ رسالہ کا حجم سرورق کے دو صفحات ملا کر ۲۴ صفحات تھا اور سائز لکھنؤ کے پیام یار جیسا۔ عام گلدستوں کی طرح اس کے سرورق پر بھی یہ شعر لکھا ہوتا تھا۔

منظور ہو جو آپ کو باغِ سخن کی سیر
جی بھر کے خوب کیجئے صحنِ چمن کی سیر

یہ گلدستہ "دلی اسکول" کا نمائندہ تھا۔ داغ اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ اس گلدستہ کا حقیقی سرپرست کہا جا سکتا ہے خصوصاً نوح ناروی تو اس کے سب سے بڑے مربی و سرپرست تھے نوح صاحب کا ایک ناول بھی بالاقساط اس میں نکلا کرتا تھا۔ اس گلدستہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں عام طور سے شریک گلدستہ شاعروں کی عمر بھی دے دی جاتی تھی۔ مثلاً ستمبر ۱۹۰۲ء کے شمارے میں خان بہادر سید رضا علی وحشت (کلکتہ) کی عمر بیس سال لکھی ہوئی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد اس گلدستہ کے مستقل خریداروں میں تھے اسی ستمبر ۱۹۰۲ء کے شمارے میں صفحہ ۲ پر خریداروں کی جو فہرست شائع ہوئی ہے اس میں ایک سال کا چندہ (ایک روپیہ آٹھ آنہ) ادا کرنے والوں میں مولانا کا نام بھی نظر آتا ہے جن کا قیام اس زمانے میں کلکتہ میں تھا۔

گلدستہ "صحن چمن" کے اسی شمارے (ستمبر ۱۹۰۲ء جلد ۱ شمارہ ۹) میں مولانا کی ایک غزل اور تین نعتیں شائع ہوئی ہیں۔ ۱۹۰۲ء میں مولانا کی عمر چودہ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن سرنامہ غزل پر مولانا کا پورا نام و پتہ اس طرح لکھا ہوا ہے۔

"آزاد ——— جناب مولوی ابوالکلام محی الدین احمد صاحب دہلوی مقیم کلکتہ مولف علوم جدیدہ اور اسلام وغیرہ"

عام قاعدے کے خلاف اس میں مولانا کی عمر نہیں لکھی ہے۔ لیکن مولانا کے سن ولادت ۱۸۸۸ء کے حساب سے ۱۹۰۲ء میں ان کی عمر چودہ سال ہی ہوتی ہے۔

گلدستے کے اسی شمارے میں صفحہ ۷ پر مولانا کی ایک طرحی غزل کے ۱۰ شعر شائع کئے گئے ہیں۔ یہ طرحی غزل گلدستہ "صحن چمن" کی اگست ۱۹۰۲ء کے مصرعہ طرح ———

لطف وصال پائے ستم انتظار میں

پر بھی گئی تھی۔ اور صفحہ ۶ پر اگست سنہ۱۹۰۶ء کا جو بقیہ حصہ شائع ہوا ہے اس میں مولانا کی تین نعت ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۵۰ ہے۔ یہ سارے اشعار مولانا کی ابتدائے مشق سخن کے وہ تاریخی نمونے ہیں جن کی تاریخی افادیت مسلم ہے بغیر نقل کیا جا رہا ہے۔

غزل

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسم زار میں
اک جان ہے سو وہ بھی ترے انتظار میں

کچھ ایسے کھو ہو گئے اقرار یار میں
لطف انتظار کا نہ ملا انتظار میں

نکلی ہے جان حسرت دیدار یار میں
آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ابھی تک مزار میں

بوسہ ملیں کیوں نہ گیسو و رخسار یار میں
روز ازل سے ربط ہے لیل و نہار میں

نکلے گا تڑپ کے وہ مجھ کو بھی قبر سے
اس دل کے ساتھ وہ نہ سکوں کا مزار میں

آتش کدہ گلوں سے بنا ہے تمام باغ
چاروں طرف اک آگ لگی ہے بہار میں

وہ پیاری پیاری شکل وہ انداز دلفریب
رہتا نہیں ہے دیکھ کے دل اختیار میں

کرتے ہو کیوں وہ کام کہ بنتا نہیں ہے چین
رہتے ہو کیوں کسی کے دل بے قرار میں

ایسی بھری ہیں یار کے دل میں کدورتیں
نامہ لکھا ہے مجھ کو تو "خط غبار" میں

غم ہجر کے سہوں کہ محبت کے داغ اٹھاؤں
افسوس کوئی بات نہیں اختیار میں

تصویر ہی وہ اپنی شب وعدہ بھیج دیں
تکلیف انتظار نہ ہو انتظار میں

افسردگی عاشق ہے کس کی حد نہیں
سینے میں دل ہے یا کوئی مردہ مزار میں

خون جگر کے پینے میں آتا ہے جو مزا
وہ ذائقہ نہیں ہے مے خوشگوار میں

مجبور کر کسی کو سمجھتے ہیں تکلیف انتظار
مجھ کو کبھی جو دیدۂ خوں نامہ یار میں

فرقت کی رات جس کے تصور میں کٹ گئی
ایسی تھی یاد صبح ابروئے یار میں

شکوہ کریں تو کیا کریں جور و جفا کا ہم
ساہے حرکت کبھی ستم روزگار میں

مرنے کے بعد بھی ہے اسی طرح کشمکش
جینا قبر میں ہوں دل ہے مرا کوئے یار میں

نقشہ [illegible] کے کھینچے کو مٹانا محال ہے
کیا دخل ہے مشیت پروردگار میں

پامال کیجئے گا سمجھ کر ذرا اسے
ہے آپ ہی کا گھر دل بے اختیار میں

کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں فرزیں کی رات دن
رہتے ہیں ہم تصور مژگان یار میں

مجھ کو شب وصال نہیں ہے خیال ہجر
آتا نہیں ہے نام خزاں کا بہار میں

اے دل خدا کی یاد میں اب صرف عمر ہو
کچھ کم پھرے صنم کدۂ روزگار میں

میرا دل شگفتہ بھی اس نے چرا لیا
اک پھول اور بڑھ گیا پھولوں کے ہار میں

گر ان پہ اختیار نہیں ہے نہیں سہی
غم ہے یہی کہ دل بھی نہیں اختیار میں

دل پر لگی وہ چوٹ کہ اف کر کے رہ گئے
ٹوٹا جو گر کے جام کوئی بزم یار میں

سودا نیا، جنوں ہے نیا، ولولے نئے
کچھ اور ہی بہار ہے اب کی بہار میں

آزاد کو ہو اپنی تباہی کا کیا ملال
کس کو قیام ہستی ناپائدار میں

نعت

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا میں طبع رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصف پیمبر رقم کئے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ دہر تو حسن رسول سے
بیکار اے فلک شب مہتاب بھی ہوئی

ساقی سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مست مئے بیخودی ہوئی

دل کھول کر رسول سے ہیں نے کئے سوال
ہرگز طلب میں عار نہ پیش سخی ہوئی

تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم
مہتاب نقش پا سے وہاں چاندنی ہوئی

ہے شاد دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشق رسول کا
جنت کی راہ اس کے لئے ہے کھلی ہوئی

آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہ زمن کی بھری ہوئی

(باقی صفحہ [illegible] پر)

ہماری زبان

۸ جون ۱۹۶۲ء

یہ تنگ نظری کیوں؟

گجرات کے ایک کالج کی یہ درخواست وہاں کی یونی ورسٹی اور حکومت نے نامنظور کر دی ہے کہ اسے انگریزی کے ذریعے سے تعلیم دینے کی اجازت دی جائے۔ وجہ یہ ہے کہ یونیورسٹی اور ریاست کے قوانین کی رو سے یا تو گجراتی ذریعۂ تعلیم ہو سکتی ہے یا ہندی۔ اس مسئلے کے متعلق جب کالج نے لسانی اقلیتوں کے کمشنر کو توجہ دلائی تو اس نے بھی سفارش کی کہ ریاست کو کالج کی درخواست منظور کر لینا چاہیے، مگر ابھی تک پس و پیش کیا جا رہا ہے اور یہ کہا جا رہا ہے کہ چونکہ انگریزی کالج کے صرف آٹھ دس فی صدی طلبہ کی مادری زبان ہے اس لئے اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اب یہ مسئلہ مرکز کے وزیر داخلہ، مہاراشٹر اور گجرات کے بڑے وزیروں، لسانی اقلیتوں کے کمشنر اور یونی ورسٹی کے ارباب حل و عقد کی ایک کانفرنس کے سپرد کیا گیا ہے جو عنقریب ہونے والی ہے۔

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ اس طرح گجراتی یا ہندی کی کیا خدمت ہو رہی ہے؟ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے اگر ایک کالج انگریزی میں تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کا معیار تعلیم اچھا ہوگا اور اس کالج کے فارغ التحصیل طلبہ یقیناً صرف گجرات کے علاوہ دوسری ریاستوں میں بھی کام کر سکیں گے۔ اس طرح قومی وحدت کو بھی مدد ملے گی۔ جمہوری نقطۂ نظر سے اقلیت کی ہر جائز خواہش کا احترام کرنا اکثریت کا فرض ہے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی کے اثر سے علیحدگی کی خواہش تو ترقی کر نہیں سکتی، اس سے تو ملک کی وحدت کو اب بھی مدد مل رہی ہے اور ابھی کچھ عرصے تک ملتی رہے گی۔ یہاں یہ سوال نہیں ہے کہ انگریزی ذریعۂ تعلیم کا ذریعہ رہے گی یا نہیں، بلکہ صرف یہ سوال ہے کہ اگر کوئی ادارہ انگریزی میں اعلیٰ تعلیم دینا چاہتا ہے جو کل تک دی جاتی تھی تو اسے روکنا کہاں تک مناسب ہے؟

اسی طرح اگر کوئی کالج اُردو میں تعلیم دینا چاہتا ہے تو یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ تعلیم کے لئے مناسب درسی کتابیں موجود ہیں یا نہیں، کتب خانے میں مشورہ کے لئے کتابوں کی تعداد کتنی ہے، اساتذہ کی علمی قابلیت کا معیار کیا ہے، مگر یہ بحث کرنا کہ چونکہ بیشتر کالج کسی اور زبان میں تعلیم دے رہے ہیں یا ریاست کی سرکاری زبان کوئی اور زبان ہے اس لئے اُردو میں تعلیم کی اجازت نہیں دی جا سکتی غلط ہے۔ اس سے ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، ہاں اقلیتوں کی بے اطمینانی ضرور بڑھے گی۔

ہم لوگ قومی وحدت پر آج کل لمبی لمبی تقریریں سنتے ہیں۔ ابھی حال میں قومی وحدت کی کونسل کا جلسہ بھی ہوا تھا مگر قومی وحدت کے لئے جس رواداری اور وسعت قلب کی ضرورت ہے، اس کا اظہار کم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں سیاستدانوں کے لئے دستور العمل اور اساتذہ اور طلبہ کے لئے پروگرام بنانے سے کام نہیں چلے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم آپس کے معاملات میں رواداری پیدا کریں اور ایک لاٹھی سے سب کو ہانکنے کی کوشش نہ کریں۔ ابھی چند روز ہوئے مرکز میں یہ اعلان ہوا ہے کہ دستور میں انگریزی کی جگہ ہندی کو دینے کے لئے ۱۹۶۵ء کی جو حد مقرر کی گئی تھی، اس کی پابندی نہ ہو سکے گی اور انگریزی غیر معینہ مدت تک ہندی کے ساتھ مرکز کی سرکاری زبان رہے گی۔ ادھر اب گجرات میں انگریزی کے ذریعے سے تعلیم پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ مرکز کا یہ فرض ہے کہ ریاستی حکومتوں کی اس تنگ نظری کی اصلاح کرے۔ ویسے بھی ریاستوں میں من مانی کرنے کا جذبہ بڑھ رہا ہے۔ انہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ ان کی اس روش سے ملک کی وحدت کو نقصان پہنچتا ہے اور ہمارے رہنماؤں کی مساعی کوششوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ مرکز کا فرض ہے کہ وہ ریاستی حکومتوں کو متنبہ کرے۔ لسانی اقلیتوں کا کمشنر صدر جمہوریہ کا نمائندہ ہے۔ ابھی تک ریاستی حکومتوں نے اس کے عہدے کی حیثیت کو نظر انداز کیا ہے جس کی وجہ سے اس کی سفارشات پر پوری توجہ نہیں ہو سکی ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے معاملات میں اس کی رائے فیصلہ کن ہونا چاہیے۔ در اصل قومی وحدت کا خواب اسی وقت حقیقت بن سکے گا جب ہر اقلیت کو خواہ وہ لسانی ہو یا مذہبی یا تہذیبی، یہ احساس ہوگا کہ اس کی جائز خواہشات کی پاسداری صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ہوتی ہے۔ ہر محب وطن کو اس معاملے میں مرکز کے ہاتھ مضبوط کرنے چاہئیں۔

انجمن ترقی اُردو، بھیمڑی

اُردو کے مشہور شاعر مولانا محوی صدیقی [illegible] شاد صاحب کے اعزاز میں انجمن ترقی اُردو شاخ بھیمڑی کی جانب سے ایک تنقیدی نشست ۲۷ مئی کو منعقد ہوئی۔ نشست کی صدارت علامہ محوی نے فرمائی۔ تنقید کے لئے [illegible] صاحب نے غزل، اور [illegible] نظام پوری نے افسانہ پیش کیا۔ دونوں تخلیقات پر سیر حاصل تنقید ہوئی۔

(مومن یوسف حسن

جنرل سکریٹری)

انجمن ترقی اُردو۔ لکھنؤ

اُردو سے متعلق مسائل پر غور کرنے کے لئے ۱۴ مئی کی شام کو انجمن ترقی اُردو لکھنؤ کے زیر اہتمام ایک جلسہ سید علی عباس حسینی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ جلسہ میں مرکزی انجمن ترقی اُردو کے ممبران سید مسعود حسن رضوی، شری حیات اللہ انصاری اور بیگم سلطانہ حیات کے علاوہ ماہرین تعلیم اور شہر کے مختلف تعلیمی اداروں کے پرنسپل صاحبان اور ممبران انجمن کی ایک بڑی تعداد شریک جلسہ تھی۔ اتر پردیش میں اجارہ کرپلانی لسانی کمیٹی نیز سہ لسانی فارمولا سے متعلق مسائل زیر غور آئے اور ایک تجویز کے ذریعہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ مرکزی انجمن ترقی اُردو ہند کو متوجہ کیا جائے کہ وہ جلد از جلد مختلف ریاستی کمیٹی کے نمائندگان کا ایک جلسہ طلب کرکے ان مسائل پر غور کرے کیونکہ اتر پردیش میں اجارہ کرپلانی لسانی کمیٹی کے جو فیصلے ہوں گے یا جو رپورٹ وہ حکومت کے سامنے پیش کرے گی وہ بہت ہی اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہوگی۔ اس کے اثرات نہ صرف اتر پردیش بلکہ بہار کے مدھیہ پردیش اور راجستھان پر بھی پڑیں گے اور دہلی بھی اس کی زد میں آئے گی۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مرکزی انجمن ترقی اُردو اپنے تمام ریاستی نمائندوں کو ان اہم مسائل پر غور کرنے کے لئے مدعو کرے۔ اس سلسلے میں سید مسعود حسین رضوی نے ایک تجویز پیش کی جو متفقہ طور پر منظور کی گئی۔ ایک دوسری تجویز۔ شری گربانی ہندر سنگھ نے پیش کی جو حکومت کے محکمہ ٹرانسپورٹ سے متعلق تھی۔ تجویز میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ اتر پردیش میں روڈویز کی بسوں پر جو ریاست میں قومی ادارہ کاروباری محکمہ ہے، راستوں کے نام، کرایہ اور اوقات وغیرہ جس طرح ہندی میں لکھے جاتے ہیں اُردو میں بھی لکھے جائیں کیونکہ اُردو داں طبقہ کے مرد اور عورتیں جو ان بسوں میں سفر کرتے ہیں انھیں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سید امیر حسن نورانی اور دوسرے لوگوں کی تائید سے متفقہ طور پر تجویز منظور کی گئی۔

(ا۔ ن۔ س)

سالانہ انتخابات انجمن ترقی اُردو شاخ دلی ۶۲ء

۱۷ مئی کو منشی عبدالقدیر صاحب کی صدارت میں انتخاب صدر کے لئے عام جلسہ ہوا۔ حمیدہ سلطان نے پنڈت سندر لال صاحب کا نام صدارت کے لئے پیش کیا۔ بیگم انیس قدوائی اور سردار گوردیال سنگھ نے تائید کی۔ چودھری برہم پرکاش صاحب کا نام گلزار دہلوی نے صدارت کے لئے تجویز کیا۔ ظفر پیامی صاحب، فقیہ الدین صاحب اور عزیز وارثی نے تائید کی۔ انتخاب بیلٹ پیپر کے ذریعے ہوا۔ پنڈت سندر لال صاحب ۷۵ ووٹوں سے کامیاب ہوئے اور اُن کو آئندہ سال کے لئے صدر انجمن ترقی اُردو شاخ دہلی منتخب کر لیا گیا۔

۱۷ مئی کی شام کو مجلس عاملہ کے انتخابات عمل میں آئے جلسے کی صدارت پنڈت سندر لال صاحب نے فرمائی۔

مجلس عاملہ کے لئے ۲۶ نام پیش کئے گئے تھے۔ جنرل سکریٹری نے دفتر کی جانب سے موجودہ مجلس عاملہ کے بارہ ممبران کے نام پیش کئے۔ حسب ذیل حضرات مجلس عاملہ کے ممبر منتخب ہوئے:

لالہ شام ناتھ، مولانا حفظ الرحمٰن، چودھری برہم پرکاش، مفتی عتیق الرحمٰن، اروش صدیقی، جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، حکیم شریف خاں، گلزار دہلوی، بہار برنی، عزیز وارثی، رشید احمد علوی۔

۲۹ مئی سنہ ۱۹۶۲ء کو انتخاب عہدیداران کے لئے مجلس عاملہ کی میٹنگ پنڈت سندر لال صاحب کی صدارت میں ہوئی۔ مفتی عتیق الرحمٰن، چودھری برہم پرکاش، اروش صدیقی، جگن ناتھ آزاد۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، رشید احمد علوی، گلزار دہلوی، عزیز وارثی، بہار برنی اور شیخ محمد ہارون نے شرکت کی۔

صاحب صدر نے مجلس عاملہ کے تین نئے ممبران کا خیر مقدم کیا حسب ذیل عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا۔

نائب صدر: تلوک چند محروم اور محمد اجمل خاں صاحب۔

جنرل سکریٹری: حمیدہ سلطان۔

اسسٹنٹ سکریٹری: ظفر ادیب۔

خازن: شیخ محمد ہارون۔

قاعدے کے مطابق صدر نے شری راجیشور سنگھ اور بہار برنی کو جوائنٹ سکریٹری نامزد کیا۔

انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش

۴ مئی کو انجمن ترقی اُردو آندھرا پردیش کے زیر اہتمام اُردو ہال (حیدر آباد) میں، شری منوہر لال شارب کے انتقال پر اظہار افسوس کرنے کے لئے ایک جلسہ منعقد ہوا۔ جلسے نے شارب کی ادبی خدمات کو قابل قدر قرار دیتے ہوئے ایک تعزیتی تجویز منظور کی اور ان کے ورثاء کے لئے ۱۲۷ روپے جمع کئے۔

راجہ جگن لال کنٹھور نے جلسہ کی صدارت کی۔ مدیر رہنمائے سہائی نے شارب کی شاعری اور زندگی پر روشنی ڈالی۔ مسٹر مخدوم محی الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ شارب نے ہندو گھرانے میں پیدا ہونے کے باوجود دیگر مذاہب کا مطالعہ کیا۔ وہ مولانا عبدالباقی سطاری کی درسگاہ میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنے استاد سے قرآن مجید کا بھی مطالعہ کیا اور مولانا سے فارسی میں گیتا پڑھی۔ ان کی شاعری پر جہاں تحریک آزادی اور سوشلزم نے اثر ڈالا ہے وہاں اس میں صوفیانہ رنگ بھی ملتا ہے۔ ڈاکٹر راج بہادر گوڑ اور مسٹر حبیب الرحمٰن نے بھی جلسے کو مخاطب کیا۔ ابن احمد تاب نے وہ نظم پیش کی جو انہوں نے اپنے عزیز دوست کے انتقال سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔

وحید مرزا

اے دوست!

ایسے انداز سے بدلا ہے زمانہ اے دوست!
زندگی جیسے فلک سیر نظر آتی ہے
اب تو جی کھول کے ملنا بھی بہت مشکل ہے
تیری محفل بھی مجھے غیر نظر آتی ہے
اب بھی اے دوست میں ہاتھوں میں ترے ہاتھ لئے
مرمریں خواب کی وادی سے گزر جاتا ہوں
نازِ شب میں تری یاد جو آجاتی ہے
ابرِ نیساں کی طرح رُخ پہ بکھر جاتا ہوں
آتشِ غم سے مرا دل جو دہکتا ہے تو کیا
دیدۂ نم میں ترے پیار کی شبنم بھی تو ہے
زندگی درد سہی، درد کا افسانہ سہی
رنگِ عارض بھی تو ہے گیسوئے پرخم بھی تو ہے
آمدِ صبح کی رنگین و حسیں آس لئے
رات سب انجم و مہتاب لٹا جاتی ہے
شمع پروانے کے ماتم میں بہار آنسو
اپنے سب گوہرِ نایاب لٹا جاتی ہے
رات کو انجم و مہتاب لٹانے کے عوض
صبح کے خواب کی تعبیر تو مل جاتی ہے
شمع روتی ہے تو خاکستر پروانہ کو
آہِ پرسوز کی تعبیر تو مل جاتی ہے
اپنے خوابوں کے جزیروں میں سکوں بھی تو نہیں
پیار کرتے ہیں تو انجام سے ڈر لگتا ہے
دل کے ارمان مچلتے نہیں سو جاتے ہیں
آرزوؤں کا تمناؤں کا دم گھٹتا ہے
دولتِ گیسو و رخسار کی قیمت ہے یہاں
جنس بن کر سرِ بازار بدن بکتے ہیں
پھول کھلتے نہیں انگارے دہک جاتے ہیں
آرزوؤں کی اُمنگوں کی چتا جلتی ہے
اہلِ گلشن کو کسی رُت کا بھی احساس نہیں
صبح تا شام سدا گرم ہوا چلتی ہے
ایک منزل کی طرف سارے مسافر اے دوست
ہاتھ میں ہاتھ دیے ساتھ چلا کرتے ہیں
اپنے غم کو غمِ انساں غمِ دوراں کر دیں
دیپ سے دیپ گلے مل کے جلا کرتے ہیں
آج سب مل کے اٹھیں مل کے چلیں مل کے بڑھیں
غم کے اس کوہِ گراں پر سبھی یلغار کریں
ایک پھر تم ہی نہیں وہ بھی نہیں میں بھی نہیں
زندگی سے سبھی انسان یہاں پیار کریں

حسن شہیر

نگاہوں کے پھول

آسماں کی تیرگی دریوزہ گر ہے اُس اندھیرے کی جہاں پہ ہم نے اپنی
بیکراں راتوں کو شبنم کی چمک دی
—— اشک کو کانٹوں کی ہلکی سی ضیا سے پھول کا ہلکا سا دامن

—— رنگ کا طوفاں
متاعِ آب
موجِ نور
ہونٹوں کا فسانہ

اشک کا یہ رنگ
اک خوابوں کی دنیا
—— ایک پرتو
ایک سینے کا تلاطم اپنے پھولوں میں لئے ہے

آنسوؤں میں ایک دنیا رات کی سوئی ہوئی ہے
رات کے پھولوں میں اک دنیا لئے ہے
صبح کے غمناک شعلوں کی یہ اک دنیا
نگاہوں میں چھلکتی ہے کوئی اک بات جیسے ایک نیلے پیرہن کی
آئی میرے آنسوؤں میں کوئی اک پھولوں کی انگڑائی
فروغِ نو کو ہلکا سا لئے باہوں کی جنبش میں

فلک پہ اک نیا عنواں —— ایک آہٹ
نگہ کی ان شعاعوں میں
کوئی اک پھول کی آہٹ
تمناؤں کے اک موتی کو لائی ہے

فضا میں ایک بھیگی بھیگی ہلکی سی اُداہٹ ہے

نفس کی آمد و شد سے
یہ اک گُل کا دیا خاموش ہوتا ہے

غزل

مفتوں کوٹوی

تیری الفت کے سبب عرش پہ رکھتا ہوں دماغ
تیری الفت کی قسم میں کوئی مغرور نہیں
[illegible] جائے گی ٹھکانے کہیں کشتی میری
وہ ساحل ہی طوفان تو کچھ دور نہیں
[illegible] ہے یہ اپنی کہ جمے بیٹھے ہیں
ورنہ صحرا سے گلستاں تو کوئی دور نہیں
[illegible] یہ تیکا را مجھے مفتوں کہہ کر
خود کو ناکام کہوں اب مجھے منظور نہیں

دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی

مولانا احسن مارہروی مرحوم کا ایک منظوم خط

بنام مولانا عبدالحق مرحوم

مولانا احسن مارہروی سے مولوی عبدالحق کو بڑا لگاؤ تھا مولانا ان کے جگری دوستوں میں سے تھے۔ ترقی زبان اُردو کی تگ و دو میں مولوی عبدالحق صاحب نے بڑی سرگرمی و سرفروشی سے کام لیا، مولانا احسن مارہروی ان کے سرگرم معاون تھے۔ مولوی صاحب نے ان سے بڑی بڑی اچھی کتابیں لکھوائیں "کلیات ولی" کی ترتیب و تدوین بھی مولوی عبدالحق صاحب کی ہی تحریک اور ہمت افزائی سے عمل میں آئی، مولانا احسن مارہروی کی مشہور کتاب "تاریخ نثر اُردو" کی تخلیق میں بھی مولوی عبدالحق صاحب کے مشورے شریک تھے۔

مولانا احسن مارہروی مسلم یونیورسٹی کی خدمات سے ریٹائر ہونے کے بعد کسی مفید شغل کے متلاشی تھے وہ دہلی تشریف لے گئے اور پانچ سات روز وہاں قیام فرمایا۔ اسی دوران میں ایک روز مولوی عبدالحق صاحب سے ملنے انجمن ترقی اُردو کے دفتر پہنچے، مولوی صاحب کہیں باہر دہلی سے تشریف لے جا چکے تھے۔ علامہ پنڈت برج موہن دتاتریہ سے ملاقات ہوئی جو عبدالحق صاحب کے اس زمانے میں شریک کار تھے۔ احسن صاحب کا قیام دہلی میں پانچ سات روز سے زیادہ نہ رہا۔ اس دوران میں مولوی عبدالحق صاحب کی دہلی واپسی نہیں ہوئی۔ اس سے مولانا احسن مارہروی کے عزائم میں جو وقتی رکاوٹ ہوئی اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ دہلی سے مراجعت کرتے ہوئے مولانا احسن صاحب نے ایک منظوم خط عبدالحق صاحب کے نام لکھ کر ان کے یہاں بھجوایا۔ مولانا صاحب کا یہ منظوم خط غیر مطبوعہ ہے۔ کتنا پُر لطف اور معنی خیز خط ہے اہل ذوق و ادب ملاحظہ فرمائیں:-

سفر کو لوگ وسیلہ ظفر کا کہتے ہیں
مگر ہمارے لئے ہو گیا سفر یہ حرام
چلے تھے گھر سے یہ ہم سوچ کر کہ دلی میں
کریں گے ایک شفیق دلی سے عرض مرام
ہمیں بھی خدمتِ اُردو کا دیجئے موقع
سپرد کیجئے ہم کو بھی کوئی ایسا کام
کہ جس میں خرچ ہو کم اور فائدہ ہو سوا
اُٹھائیں آم کے آم اور گٹھلیوں کے دام
مگر پہنچ کے یہ دارالسلام میں دیکھا
کہ مثلِ دامنِ مفلس تہی ہے جائے قیام
بس ایک گوشہ میں حق کھڑا ہوا ہے خموش
نہ جس میں جوش نہ سرپوش ہے نہ دورِ خرام
ہوا گمان کہ باہر گئے ہیں مولانا
دگرنہ ہوتے بھیانک نہ اس طرح در و بام
ابھی یہ سوچ رہا تھا کہ حضرتِ کیفی
نکل کے کمرے سے آئے ملے بہ شوقِ تمام
ملے نہ آپ تو ملتے ہوئے کفِ افسوس
قیام گاہ میں آ کر کیا یہ جبر قیام
ہوا ہے ختم عجب کش مکش میں اک عشرہ
نہ دن کو چین ملا اور نہ رات کو آرام
یہ موسم اور یہ عالم یہ شدتِ حدت
ہوا ہے درہم و برہم تمام نظم و نظام
بہا ہے خونِ تمنا مثالِ آبِ رواں
کھلے ہوئے ہیں پسینے سے مثل چشم مسام
خلاصہ یہ ہے کہ غائب ہوئے ہیں ہوش و حواس
کسی کی یاد میں بھولا ہوا ہوں سارے کام
مٹا کے شوق و تمنا کا نام جاتا ہوں
لئے ہوئے غم و تکلیف و حسرت و آلام
خیال آئے اگر یادِ رفتگاں کی طرح
تو بھیج دیجئے گا مہر حاضری احکام
پس از سلام و نیاز و خلوص ہے معروض
قبول احسنِ مارہروی کا ہو یہ کلام

محمد بشیر الحق دسنوی

رسالۂ معارف

علی گڑھ و پانی پت

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری دستہ سیکشن میں رسالہ معارف علی گڑھ و پانی پت کی مندرجہ ذیل چار جلدیں محفوظ ہیں۔ اس رسالے سے قدیم تر مشہور رسالے دلگداز لکھنؤ (۱۸۸۷ء) رسالہ حسن حیدرآباد (۱۸۸۹ء) مرقع عالم ہردوئی (۱۸۹۶ء) اور علی گڑھ میگزین (جنوری ۱۸۹۸ء) ہیں۔ اشاعت کے لحاظ سے ان رسالوں کے بعد ہی رسالہ معارف علی گڑھ کا نمبر ہے جو جولائی ۱۸۹۸ء میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ اردو کے مشہور رسالے مثل ادیب فیروز آباد (سنہ ۱۸۹۹ء)۔ مخزن لاہور (سنہ ۱۹۰۱ء) لسان الصدق کلکتہ (سنہ ۱۹۰۳ء)۔ اردوئے معلیٰ علی گڑھ (سنہ ۱۹۰۳ء) دکن ریویو حیدرآباد (۱۹۰۴ء)۔ رسالۂ خاتون علی گڑھ (سنہ ۱۹۰۴ء)۔ الناظر لکھنؤ (سنہ ۱۹۰۹ء)۔ ادیب الہ آباد (سنہ ۱۹۱۰ء)۔ لسان العصر لکھنؤ (سنہ ۱۹۱۰ء)۔ پنجاب ریویو (۱۹۱۰ء)۔ تمدن دہلی (اپریل سنہ ۱۹۱۱ء)۔ معارف اعظم گڑھ (جولائی ۱۹۱۶ء)۔ رسالہ اردو اورنگ آباد دکن (۱۹۲۱ء)۔ ہمایوں لاہور و نگار لکھنؤ (سنہ ۱۹۲۲ء)۔ سہیل علی گڑھ (۱۹۲۶ء) اور دوسرے رسالے بعد میں نکلنا شروع ہوئے۔

فہرست مضامین کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ذی علم ایڈیٹروں کی ادارت میں رسالہ معارف کتنے اچھے اور قابل قدر مضامین مشہور مشہور مضمون نگاروں کے شائع کرتا تھا، اور خود ایڈیٹر بھی کیسے بلند پایہ مضامین اس رسالے میں لکھتے تھے۔

رسالہ معارف علی گڑھ و پانی پت کی چار جلدیں، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری بانکی پور کے الاصلاح لائبریری دستہ سیکشن میں محفوظ ہیں۔

جلد نمبر ۱ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۸۹۸ء لغایت جون ۱۸۹۹ء اس جلد کے اگست ۱۸۹۸ء اور اپریل ۱۸۹۹ء کے پرچے یعنی نمبر ۲ اور نمبر ۱۰ فائل میں نہیں ہیں۔

جلد نمبر ۲ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۸۹۹ء لغایت جون ۱۹۰۰ء

جلد نمبر ۳ ۔ من ابتدائے جولائی ۱۹۰۰ء لغایت دسمبر ۱۹۰۰ء

جلد نمبر ۴ ۔ من ابتدائے جنوری ۱۹۰۱ء لغایت دسمبر ۱۹۰۱ء

چوتھی جلد کی تکمیل کے بعد رسالے کی اشاعت غالباً بند ہو گئی۔ ابتدائے اشاعت سے اکتوبر سنہ ۱۹۰۰ء تک رسالہ علی گڑھ سے شائع ہوا اور نومبر سنہ ۱۹۰۰ء میں اس کا دفتر پانی پت منتقل ہو گیا۔ رسالے کی پہلی اور دوسری جلد میں حاجی محمد اسمٰعیل خاں اور مولوی وحید الدین سلیم کی ادارت میں نکلیں اور تیسری اور چوتھی جلدیں صرف مولوی وحید الدین سلیم کی ادارت میں شائع ہوئیں۔ جلد اول کے بارہ پرچے اور جلد دوم کا پہلا نمبر قادر علی خاں صاحب صوفی کے مطبع مفید عام آگرہ میں چھپے۔ بقیہ پرچے مطبع فیض عام علی گڑھ۔ فاروقی پریس دہلی اور مفید عام پریس پانی پت میں طبع ہوئے۔ سب پرچے ۲۲ × ۲۹ کی بڑی تقطیع پر چھپے ہوئے ہیں۔

ہر جلد کے مضامین کی فہرست درج ذیل ہے۔ اس فہرست میں صرف ایسے مضامین لئے گئے ہیں جو اہم ہیں۔ بقیہ مضامین۔ ایڈیٹر کے نوٹ۔ اور کتابوں پر ریویو جن کی کوئی اہمیت نہیں ہے نظر انداز کر دئے گئے ہیں۔

جلد اول :-

(۱) بلنسیہ	مولوی وحید الدین سلیم
(۲) ابن جبیر اور اس کا سفر نامہ (۱) (۲) (۳)	" "
(۳) آب ہوا کا اثر اخلاق و معاشرت پر	مولوی رشید احمد سالم
(۴) تکوین ارض بموجب طبقات الارض کے	حاجی محمد اسمٰعیل خاں
(۵) مصر کا قدیم خط	مولوی رشید احمد سالم
(۶) مادیت اور مذہب	ج - ایف سجاد
(۷) وقت ہی ایک دولت ہے	نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں
(۸) مادہ اور صورت	مولوی سید کرامت حسین بیرسٹر ایٹ لا
(۹) طوفان نوح کا آغاز کیونکر ہوا؟	مولوی عبد الحق
(۱۰) آثار العجم (۱) دیوان کسریٰ (۲) طاق بستان (۳) کوہ بے ستون	مولوی محمد عبد الرزاق مصنف البرامکہ
(۱۱) کیا کنعان حضرت نوح کا سگا بیٹا تھا؟	مولوی محمد عبد الحق
(۱۲) کیا زوجۂ نوح طوفان میں غرق ہوئی تھی؟	"
(۱۳) مرثیہ جدید (نظم)	خان بہادر مولوی سید علی محمد شاد
(۱۴) حالات سسلی (۱) (۲) (۳)	مولوی محمد مرتضیٰ صاحب

جلد دوم :-

(۱) معجزات ہم کیوں نہیں اور کیوں نہ مانیں؟	شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی
(۲) سوفسطائی حکما اور ان کا فلسفہ	خواجہ غلام الثقلین بی اے ایل ایل بی
(۳) احکام اسلام کی پابندی اور اس کا اثر عمر و صحت پر	مولوی محمد عبد الرحمن خاں شروانی
(۴) وراثت طبعی (۱) وراثت کا اثر جسمانی اور روحانی قوتوں پر (۲) وہ اسباب جو وراثت کے برخلاف عمل کرتے ہیں۔ (۳) وہ تدبیریں جن سے عمدہ اولاد پیدا ہو سکتی ہے۔	مولوی رشید احمد سالم

(۵) بصرہ منصور عباسی کے عہد حکومت میں — مولوی رشید احمد سالم
(۶) مذہب و علم — مولوی خواجہ غلام الثقلین بی۔اے ایل ایل بی
(۷) فلسفہ تاریخ پر ایک سرسری نظر۔ مولوی وحید الدین سلیم
(۸) علامہ ابو الفرج اصفہانی — مولوی رشید احمد سالم
(۹) کیا دل کی کشش اور مادہ کی کشش دونوں ایک ہیں؟ — مولوی عبد العلی خاں
(۱۰) چین اور چینی — حاجی عبد الرشید خاں
(۱۱) آثار العجم (۴) تخت جمشید (۵) بقیہ تخت جمشید — مولوی محمد عبد الرزاق مصنف البرامکہ
(۱۲) ہماری زمین اور تمام ستارے کیوں کر پیدا ہوئے — ایک لبرل مسلمان
(۱۳) حالات مسلی نمبر ۴ لغایت ۱۲۔ مولوی محمد مرتضیٰ صاحب

جلد سوم :-

(۱) دریا کا آغاز و انجام (نظم) — ع ۔ ح
(۲) تصوف یا مسلمانوں کا روحانی فلسفہ — علی حسن خاں
(۳) طبعیات اور اہل اسلام موسیو سیدیو فرانسیسی کی کتاب تاریخ عرب سے — ع ۔ ح
(۴) مسلمانوں کا تنزل اور اس کا اصلی سبب۔ نذیر احمد
(۵) شمع ہستی (نظم) — ایم ۔ آئی
(۶) حامیان ہندی اور ان کا مغالطہ۔ ایک لبرل مسلمان
(۷) ابن رومیہ — مولوی عبد العلی خاں

جلد چہارم

(۱) ابراہیم موصلی — مولوی عبد العلی خاں
(۲) ابو تمام طائی — "
(۳) موسیقی اور اسلام — "
(۴) فن مصوری کی تاریخ — "
(۵) چین کے مسلمان — مولوی محمد عزیز الرحمٰن عزیز بہاولپور
(۶) ابو الفہ — محمد عبد العلی خاں
(۷) قرون اولیٰ کی حق گوئی اور حق پسندی۔ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی
(۸) ارطاۃ بن سُہیّہ — مولوی عبد العلی خاں
(۹) ابو سعید ابو الخیر — "
(۱۰) طاہر کا خط عبد اللہ بن طاہر کے نام۔ مولوی محمد عزیز الرحمٰن عزیز
(۱۱) تثلیث اور انارکسٹ (۱، ۲) — ایک لبرل مسلمان
(۱۲) مسئلہ جہاد پر ایک فرانسیسی عالم کا مضمون (۱، ۲) — مولوی عبد العلی خاں
(۱۳) ابو دلامہ اور اس کے لطیفے۔ مولوی محمد عزیز الرحمٰن عزیز
(۱۴) کلیات دلبر — مولانا خواجہ الطاف حسین حالی

وزیر اعظم کو الہ آباد کے شہریوں کی یادداشت

الہ آباد۔ ۲۳ر مئی۔ یہاں کے اُردو بولنے والے شہریوں کی جانب سے وزیر اعظم نہرو کو جو یادداشت گزشتہ ۸ر جنوری کو پیش کی گئی تھی اور جس میں ان طلبہ کی مشکلات کا ذکر کیا گیا تھا جن کی مادری زبان اُردو ہے، اس یادداشت کی تفصیلات اب موصول ہو گئی ہیں۔

اس یادداشت میں اس خطرہ کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ سنسکرت کو تین زبانوں کے فارمولے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ بات صریحی طور پر وزرائے اعلیٰ کی کانفرنس نے جو فیصلے کئے تھے ان کی اسپرٹ کے خلاف ہے کہ سنسکرت کو اس فارمولے کی دفعہ (ب) کے تحت دوسری ہندستانی زبان کے طور پر پڑھایا جائے کیونکہ:

(۱) سنسکرت ہندستان کی کسی ریاست یا علاقے کی زبان نہیں ہے۔

(۲) سنسکرت ملک میں عوام کے کسی گروہ کی مادری زبان نہیں ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ لسانی اقلیتوں کے کمشنر کی دوسری رپورٹ میں ایسی زبانوں کی جو عوام کے مختلف گروہوں میں مادری زبان کی حیثیت سے بولی جاتی ہیں، ایک طویل فہرست شامل ہے۔ لیکن سنسکرت کو کسی چھوٹے سے چھوٹے گروہ کی بھی مادری زبان نہیں بتایا گیا ہے۔

(۳) سنسکرت کو ایک کلاسیکی زبان کی حیثیت سے پڑھایا جاتا رہا ہے اور یہ اب بھی اسی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے جیسے کہ پالی اور دوسری کلاسیکی زبانیں۔ بھلا یہ راتوں رات ہندستان کی جدید عوامی زبان کیسے بن سکتی ہے۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ ملک میں سنسکرت زبان کا نہ کوئی اخبار نکلتا ہے اور نہ اب تک کوئی فلم ہی بنی ہے۔

اس سلسلے میں یہ چیز غور کرنے کی ہے کہ وزرائے اعلیٰ ہندی کے ساتھ ایک جدید جنوبی زبان اور ہندی کے علاوہ ایک جدید ہندستانی زبان رکھنے کے حق میں تھے۔ یہ بات تحقیق طلب ہے کہ ہندستانی زبان سے پہلے جدید کا جو لفظ تھا اُسے کس نے اور کیوں ہٹا دیا۔

اُردو چونکہ ایک جدید ہندی زبان ہے اور ملک کا ایک خاصا بڑا طبقہ اسے بولتا ہے جیسا کہ لسانی اقلیتوں کے کمیشن کی دوسری رپورٹ سے جسے حکومت ہند نے شائع کیا ہے، ظاہر ہے اس کی ابتدائی اور ثانوی دونوں سطح پر اُردو کو پڑھانے کا انتظام ہونا چاہئے اور ثانوی سطح پر اُردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی اجازت دینا چاہئے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بمبئی، مدراس اور آندھرا میں بھی ایسے اسکول موجود ہیں جن میں اُردو ذریعہ تعلیم ہے۔ اس لئے یہ ضروری چیز ہے کہ اُردو کو اس کے وطن اتر پردیش میں اپنا جائز مقام نہ حاصل ہو۔

اُردو میں شائع ہونے والے روزنامے مثلاً پرتاپ، ملاپ، الجمعیۃ، دعوت، سیاست جدید، قومی آواز اور بے شمار ہفتہ وار پرچے، ماہنامے، ناولیں اور کہانیوں کے مجموعے اس زبان کی ہمہ گیر مقبولیت کا ثبوت ہیں۔

قومی یکجہتی کے مفاد میں ملک کے تمام باشندوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہئے کہ ان کے حقوق اور مفادات نظر انداز نہیں کئے جائیں گے۔ لہٰذا اس سلسلے میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

(۱) یو۔پی کے تمام اسکولوں میں اُردو تعلیم کی سہولت فراہم ہونا چاہئے۔

(۲) ہائی اسکول و انٹرمیڈیٹ بورڈ کے امتحانات میں بیٹھنے والے جو طلبہ سوالات کا جواب اُردو میں دینا چاہتے ہیں ان کے لئے جیسا کہ فی الوقت ہوتا ہے اسکولوں کے ضلع انسپکٹر سے اُردو میں جوابات لکھنے کی اجازت حاصل کرنے کی پابندی نہ رہنا چاہئے۔

(۳) ٹیچر کے امتحانات کے لئے ملازمتوں میں تقرر کرتے وقت قابلیت کا معیار صرف ہندی کی لیاقت [illegible] ہونا چاہئے بلکہ اُردو جاننا بھی ضروری ہونا چاہئے۔

اُردو مجلس حیدر آباد

اُردو مجلس حیدر آباد کا ماہانہ ادبی اجلاس ۱۷ر مئی کو شام ساڑھے ۵ بجے اُردو ہال میں منعقد ہوا۔ نواب شہید یار جنگ نے اجلاس کی صدارت فرمائی۔

محمد منظور احمد صاحب معتمد اردو مجلس نے منوہر لال شار کے سانحۂ ارتحال پر قرارداد تعزیت پیش کی جس میں مشہور شاعر شار کی وفات پر گہرے رنج و الم کا اظہار کیا گیا تھا۔ حاضرین نے ایستادہ ہو کر دو منٹ کی خاموشی منائی۔

پروگرام کے مطابق جناب نور الحسن سابق پرنسپل انوار العلوم ہائی اسکول نے "اُردو کا معتوب شاعر" یاس عظیم آبادی یگانہ چنگیزی کے زیر عنوان اپنا پُر از معلومات مقالہ سنایا۔

یگانہ کے کلام سے مثالیں دیتے ہوئے جناب نور الحسن نے کہا کہ "ان کے انداز بیان میں انتہائی کشش، ندرت اور پختہ کاری ہے۔ کلام میں زبردست انقلابی قوت، میرزا یاس کا احساس خودی و شیوۂ خودداری خارجی موثرات کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اندرونی و داخلی محرکات کا پیش خیمہ ہے۔ یگانہ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اُردو شاعری کو روایت اور تقلید کی لعنتوں سے آزاد کرانے کی کوشش کی۔ ان کے اشعار میں ایک خاص للکار، جھنکار اور چیلنج کا لہجہ نمایاں ہے اور یہی یاس کی اہم خصوصیت ہے۔"

نواب شہید یار جنگ بہادر صدر جلسہ نے یگانہ مرحوم سے اپنے قدیم تعلقات کے واقعات سنائے اور ان کی زندگی کی بعض درجہ قدروں پر روشنی ڈالی اور کہا کہ یاس کی فطرت خوشامد پسند نہ تھی۔ وہ کسی کی غیر معمولی تعریف پر جھک جاتے تھے۔ میرے یہاں قیام کے دوران متعدد مرتبہ میں نے انھیں غالب کے کلام پر سر دھنتے اور مزہ لیتے دیکھا ہے۔"

(وقار خلیل)

مراسلات

"جامعہ اُردو کا نصاب"

"ہماری زبان" علی گڑھ مورخہ ۸ر مئی ۱۹۶۲ء میں جناب احمد حسن صاحب کا جو مراسلہ جامعہ اُردو کے نصاب پر شایع ہوا ہے وہ اُردو زبان کے اس بحرانی دور کا غماز ہے تاکہ لیپ جناب ضمیرالدین صاحب قریشی نے اسی شمارہ میں جو اپنی صفائی پیش کی ہے وہ ایک طرح سے "عذر لنگ" کا درجہ رکھتی ہے۔ مقالہ نگاروں کا نام سہواً چھوٹ جانا ایسا عذر ہے جسے کوئی پڑھا لکھا تسلیم نہیں کر سکتا۔

میں جامعہ اُردو علی گڑھ کے ارباب حل و عقد اور جناب ضمیرالدین قریشی سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اُن کو مقالہ نگاروں سے مودبانہ معافی مانگنی چاہیئے — اور جامعہ اُردو کو اس قسم کی کتابیں اپنے نصاب — سے فوراً خارج کر دینی چاہیئں۔

(کیف احمد صدیقی آگرہ)

باغ اکبرآبادی

۲۲ر اپریل ۱۹۶۲ء کے اخبار "ہماری زبان" میں باغ اکبرآبادی کے زیر عنوان جناب ویریندر پرشاد صاحب سکسینہ کا مضمون دیکھا۔ موصوف نے لکھا ہے کہ "سیماب اکبرآبادی نے آگرہ اسکول پر ایک رسالہ شایع کیا ہے۔ اس میں ان کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں" مگر رسالہ موصوف کی وضاحت نہیں کی۔ آگرہ اسکول سے متعلق ادارہ مولانا سیماب "قصرالادب آگرہ" سے شاعر آگرہ نمبر جون جولائی ۱۹۳۲ء میں شایع ہوا ہے مرتب اس کے مفتی انتظام اللہ شہابی ہیں اور مدیر حضرت مولانا کے صاحبزادے "اعجاز صدیقی" جو آج بھی رسالہ شاعر کو بمبئی سے نکالتے ہیں۔ اس آگرہ نمبر کے صفحہ ۲۰۱ پر "باغ" کے حالات ان الفاظ میں ہیں:-

"باغ بال کشن اکبرآبادی شاگرد حضرت سیماب

اکبرآبادی عطاری کی دوکان کرتے ہیں"

اس کے بعد صرف ایک شعر انتخاب میں دیا ہے:-

آپ کی اک آرزو ہے آپ کی اک یاد ہے

اور کیا رکھا ہے اب میرے شکستہ دل کے پاس"

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا اجمال کو تفصیل سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا سکسینہ صاحب کو حوالہ کی وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔

[illegible]

مضمون نگار میں دوسری عجیب بات یہ ہے کہ باغ کو سیماب، شام اور میکش و رعنا کے دوش بدوش پیش کیا گیا ہے۔ جہاں تک ذاتی رائے کا تعلق ہے کوئی بھی اس کا اظہار آزادی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ مگر جن شعرا کا مرتبہ حلقۂ مسلم و ادب میں تسلیم کیا جا چکا ہے اور جن کا خدمات کی بنا پر ایک خصوصی مقام متعین ہو چکا ہے ان کو اسی نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔ ایسی صورت میں باغ ان مسلم الثبوت شعراء و اساتذۂ وقت کے برابر قرار نہیں پا سکتے اور پھر انتخاب کلام بھی اسی حقیقت کا مظہر ہے۔

بال کشن باغ اکبرآبادی کا ایک مختصر سا گلدستہ "قیس" بھیر پشتال قبل شایع ہوا تھا۔ راقم سطور نے اس کو دیکھا ہے اس وقت چونکہ موجود نہیں اس لئے بالوضاحت اس کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

(سراج دھولپوری)

آہ بے چاروں کے اعصاب پہ انگلش ہے سوار!

اپریل کی آخری اشاعت میں ع۔ ز۔ ادیب صاحب کا مراسلہ دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے ادیب صاحب میری بات سمجھے نہیں یہ الفاظ کیا آپ پورے پورے جملے اپنے یہاں لے آئیں، لیکن خدارا ایسا تو نہ کیجئے کہ پوری کی پوری اُردو زبان ہٹا کر انگریزی اپنے یہاں لے آئیے!

اور یہ کہنا تو سراسر حماقت ہے کہ فلاں لفظ آسان فہم ہے اور فلاں لفظ بعید از فہم۔ کوئی بھی لفظ بذات خود مانوس اور غیر مانوس نہیں ہوتا معروف اور غیر معروف تو ہم کثرت استعمال اور ترک استعمال سے بناتے ہیں۔ اگر ہم اردو کے اپنے الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیں تو یہ بھی عام چلن میں شامل ہو جائیں۔

ادیب صاحب کو شاید نہیں معلوم کہ اُردو والوں کے دل و دماغ پر کس طرح انگریزی چھائی ہوئی ہے۔ ایک ناول کے آخر میں تحریر ہے:-

جمنا داس اختر

مورخہ ۴ مارچ ۱۹۵۶ء

نیاز فتح پوری صاحب کی پوسٹ کارڈ والی مُہر ملاحظہ ہو:-

Niaz Fatehpuri
Editor Nigar
Lucknow

کیوں اُردو کہاں چلی گئی؟ ساتھ میں اُردو تحریر بھی ہوتی تو کیا غضب ہو جاتا؟

(اقبال کرشن)

بقیہ

مولانا ابو الکلام آزاد کا ابتدائی کلام

ایضاً بہ قافیہ حرف دوئی

وصفِ نبی سے نظم کی یہ برتری ہوئی
طوبیٰ کی طرح شاخِ معنا میں ہری ہوئی
مژدہ گدائے شہ کو دیا یہ سروش نے
حاصل دیار دیں میں تجھے افسری ہوئی
جیبوں کا حشر سے چمنستان خلد میں
عشقِ رسولِ حق کی اگر رہبری ہوئی
شہرہ ثنائے شاہ رسل کا ذرا لکھے
بے کار شاعروں کی سخن گستری ہوئی
اوصاف جب لکھے ڈر دندان پاک کے
عالم میں اپنی طبع رسا جوہری ہوئی
یاد نبی میں دولت عشقی حصول ہے
کیا غم جو اس جہاں میں مجھے بے زری ہوئی
اعجاز مصطفیٰ کے ہوئے دل سے معتقد
باطل فسوں گروں کی جو افسوں گری ہوئی

حسنِ حبیب حق کی تجلی کے روبرو
تاریک تر ضیاء مہ و مشتری ہوئی
آزاد وصف نور نبی جب رقم کیا
شہرت زمانے میں صفتِ انوری ہوئی

ایضاً بہ تبدیل قافیہ

ہے اُمتِ رسول سے جنت بھری ہوئی
جنت میں ہے رسول کی اُمت بھری ہوئی
معمور دل ہے یاد شہ مشرقین سے
اس گھر میں دو جہاں کی ہے دولت بھری ہوئی
ہیں افصح العرب کا ثنا گو ہوں دوستو
کیوں کر نہ ہو سخن میں فصاحت بھری ہوئی
واسطے تھے لوگ خطبۂ احمدؐ سے لذتیں
کیا بات بات میں تھی حلاوت بھری ہوئی
ہے قدسیان خاص کو بھی آپ سے خلوص
دل میں ہے ہر ملک کے ارادت بھری ہوئی
کعبہ سے منزلت میں نہیں کم دل حزیں
ختم رسل کی ہے جو محبت بھری ہوئی
آزاد پہ بھی ہو نگہ لطف یا رسولؐ
ہے دل میں آرزوئے شفاعت بھری ہوئی

تبصرے

ضیاء احمد بدایونی

عمدۂ منتخبہ یا تذکرۂ سرور

مؤلفہ نواب اعظم الدولہ مع مقدمہ از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی

قیمت مجلد بیس روپے۔ تعداد صفحات ۹۰۸

ناشر شعبۂ اردو ۔ دہلی یونیورسٹی ۔ دہلی ۷

اخلاف کا فرض ہے کہ اسلاف جو علمی جواہر ریزے چھوڑ گئے ہیں انھیں گمنامی سے بچائیں اور جلا دے کر منظر عام پر لائیں۔ عمدۂ منتخبہ جو اردو کے ۹۹۶ شعرا کا فارسی تذکرہ ہے ڈیڑھ سو برس سے یورپ کے کتب خانوں میں پا بہ زنجیر گمنامی میں پڑا تھا۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صدر شعبۂ اردو۔ دہلی یونیورسٹی لائق تبریک ہیں جنھوں نے اس فرض کی طرف توجہ فرمائی اور اس تذکرہ کو ایڈٹ کر کے شائع کیا۔ مؤلف تذکرہ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر سرور ایک اور ادیب و عالم میر تھے۔ انھوں نے بڑی کاوش سے تقریباً ایک ہزار شعرا کا حال مع نمونۂ کلام مرتب کیا اور اس کا نام عمدۂ منتخبہ رکھا تھا۔ تذکرۂ مذکور کی تالیف کے سنین میں کافی اختلافات ہیں۔ تذکرہ کا بیان ہے کہ ذوق نے اس تذکرے کی تاریخ "دیباچۂ اعظم" کہی تھی جس سے ۱۲۲۰ ہجری برآمد ہوتے ہیں لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور خود فاضل مقدمہ نگار نے بھی اس کی صراحت کر دی ہے کہ دیباچۂ اعظم تذکرے کی تاریخ نہیں۔ بلکہ نواب اعظم الدولہ کی مثنوی مہر سیاد کا سال تصنیف ہے۔ جو تذکرے سے متاخر ہیں۔

تذکرۂ سرور کی تالیف کے سلسلے میں ۱۲۱۵ھ سے لے کر ۱۲۳۲ ہجری تک چھ سات تاریخیں بیان کی گئی ہیں۔ ان کے بارے میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے صحیح کہا ہے کہ ۱۲۱۵ یا ۱۲۱۶ھ کو اس کے آغاز تالیف کا اور ۱۲۲۱ھ کو اختتام کا سال قرار دیا جانا چاہئے۔ نیز یہ کہ بعد میں مختلف زمانوں میں اضافے ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ ہمارا خیال ہے کہ مؤلف نے اس کے مسودے میں ۱۲۳۲ھ کے بعد بھی اضافے کئے ہیں۔ مثلاً مرزا غالب کے حالات میں انھوں نے لکھا ہے جوانیست بذلہ سنج و دانشمند همیشه به خوش معاشی بسر برده …… و باز اقربا بدخ پیش آمده حاکم دارد۔ اگر ۱۲۲۱ کو سال اختتام مان لیا جائے تو اس وقت غالب کی عمر بارہ برس ہونی چاہئے۔ ظاہر ہے کہ ایک بارہ برس کے لڑکے کی نسبت وہ الفاظ جو اوپر درج ہوئے نہایت مستبعد ہیں۔ اسی طرح مومن کے بارے میں وہ رقم طراز ہیں۔ مومن تخلص حافظ (؟) محمد مومن نوجوانے ست با ہمت بہ تحصیل کتب عربی مصروف دارد ……… و بہ شعر گوئی میلے پیدا سلیقۂ شعر رسا بطبع درست۔ حساب سے اس وقت مومن نو برس کے بچے تھے۔ اور نو برس کا لڑکا نوجوان نہیں کہلاتا۔

عمدۂ منتخبہ کے بعد مجموعۂ نغز اور گلشن بے خار مرتب ہوئے۔ گو یہ عمدۂ منتخبہ میں ان دونوں کا سا تنقیدی شعور نہیں ملتا۔ تاہم اس کی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ اور اس میں بھی کسی کو کلام نہیں کہ اس کی افادیت میں کوئی کلام نہیں۔ یہ ہماری تاریخ ادب کی ایک اہم کڑی ہے جس کے شائع ہونے سے بعض ضروری گوشے روشنی میں آ گئے۔

فاضل مقدمہ نگار نے متعدد مستند ماخذوں کی مدد سے حواشی میں جا بجا اضافے اور تصحیح کر دی ہے اور اس طرح تذکرۂ مذکور کی افادیت اور بڑھا دی ہے۔

یہ تذکرہ چند شعراء با کمال بشمول ان کے تمام دیوان بحیثیت مجموعی سلیقہ، سلاست اور حسن عبارت کے اعتبار سے بھی قابل قدر ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو نے اسے شائع کر کے ایک نہایت مفید خدمت انجام دی ہے۔

وہاب اختر

برگ سبز

بانو طاہرہ سعید

قیمت ۲ روپے

ناشر: مکتبہ سعدی ۔ نیو ملے پلی ۔ اعظم آباد ۔ حیدرآباد نمبر ۲۰

بزم سعدی حیدرآباد کا ایک ایسا ادارہ ہے جو فارسی شعر و ادب کی روایتوں کے چراغ اب بھی جلائے ہوئے ہے۔ اس دور میں جبکہ اردو پڑھنے والوں کا حلقہ کم ہوتا جا رہا ہے فارسی کے ذوق پیدا کرنے اور اسکی روایتوں کے تحفظ کی کوشش کرنے والوں نے صحیح معنوں میں آندھی میں چراغ جلایا ہے۔ اب اس ادارے نے اپنا اشاعتی پروگرام بھی شروع کر دیا ہے اس سلسلے کی پہلی کتاب "برگ سبز" ہے جو ایک ایرانی نژاد خاتون کے اردو کلام کا انتخاب ہے۔ کتاب اپنی معنوی رنگینی کے ساتھ صوری لحاظ سے بھی بہت دیدہ زیب دلکش ہے۔ سرورق کی حسن کاری اور کتابت کی آب داری شاعرانہ لطافت بیان کے ساتھ مل کر دو چند ہو گئی ہے۔

بانو طاہرہ سعید ایرانی ہوتے ہوئے بھی اپنی شاعری کے لحاظ سے ہندوستانی ہیں اور یہ ہندوستانیت ان کی نظموں کے عنوانات سے بھی نمایاں ہے اور ان کی شاعری کے مزاج سے بھی۔ "آندھرا پردیش" "اردو زبان" "بھارت کا سپاہی" "پرسی" "سبھانہ" "محمد قلی قطب شاہ کی تصویر دیکھ کر" ایسی نظمیں ہیں جن سے ان کی ہندوستان پرستی ظاہر ہوتی ہے۔ اکثر نظموں اور غزلوں میں دکن کی حدیث دلبری نے حافظ کے "کنار رکنا باد و گلگشت مصلیٰ" کی جگہ لے لی ہے۔ عام طور پر نظموں کا انداز قصیدہ کا سا ہے۔ وہ اپنے ہر موضوع اور ممدوح سے بہت متاثر نظر آتی ہیں۔ گرو نانک، حسین، پدمنی، سیتا اور خدائے مجازی میں ان کا یہ لہجہ اور انداز بیان شدید ہو جاتا ہے۔ مگر جزئی تصورات کی تعریف میں یہ رنگ ذرا کھٹکتا ہے۔

ان کی غزلوں میں جو سوز و گداز اور تڑپ ہے اس کا اندازہ ان چند شعروں سے ہو سکتا ہے ؎

سونی پڑی ہے منزلِ دیوانگیِ عشق
کیا ہو گیا کہ کوئی سر دار بھی نہیں

تری سمت کیسے آؤں تجھے کس طرح بلاؤں
میں زمیں کا ایک ذرہ، تو فلک کا اک ستارا

کیا کروں مجھ تک تری کوئی خبر آتی نہیں
نکہتِ گیسو بھی اب بادِ صبا لاتی نہیں

مجموعی حیثیت سے بانو طاہرہ سعید کی یہ شاعرانہ کاوش اس لئے بھی قابل قدر ہے کہ انھوں نے ایرانی ہوتے ہوئے اردو کو اپنی ہی زبان کی طرح برتا ہے۔

پبلشر مدیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا